Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 5 (July-Sep 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

A remedy for the present degradation of the Muslims

مسلمانوں کی موجودہ پستی کا علاج

Ubaid Ullah
Department of Management Sciences. CECOS University, Peshawar,
ubaid@cecos.edu.pk

Usama Ahmed
PhD Scholar, International Islamic University, Islamabad and Lecturer, Government FG Post Graduate College, Wah Cantt.

Ahmed Abdul Rehman
Lecturer Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Abstract

A person never abandons something beneficial. It is surprising that the blessed work of preaching, which once filled the empty homes of Muslims with gold and silver, was later abandoned by some Muslim rulers of the Umayyad dynasty. Why did this happen? Before blaming others, one should introspect. There might have been some compelling reasons. The question is, what were those reasons? Who was forced to lay down their weapons? Who did not lose courage and fought on? How did they manage the challenges they faced? Who handled the situation best? The title of this article is derived from "مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج", a book included in the Fazail-e-Amaal. However, I respectfully disagree with the diagnosis in the mentioned book. In my opinion, the issue of the Muslim Ummah is not related to faith but to management. Management is crucial because, according to the Hadith, the best period of faith was during the Prophet Muhammad (PBUH). As we move further away from that time, faith weakens. This weakening of faith cannot be stopped, but with good management, it is possible to control the trials and tribulations. This article is an effort in that direction.

Keywords: Imān, Management, Money, Tax, Financing, Interest, Preaching.

تعارف:

ہم جانتے ہیں کہ جب اللہ کے نبی ﷺ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو ان کو مشرکین مکہ کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ دین اسلام اور تبلیغ کی یہ مخالفت سمجھ آتی ہے۔ کیونکہ تب شہر مکہ کے باشندے اسلام کی حقانیت سے واقف نہیں تھے۔ مشرکین مکہ کے نزدیک محمد ﷺ اور ان کے ساتھی اپنے معاشرے کی سوچ سے منحرف ہو گئے تھے۔[1] مشرکین مکہ کی مخالفت کے باوجود محمد ﷺ نے دین اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔ مکی دور میں عام طور پر مسلمان مغلوب رہے۔ اس کے باوجود مکی دور میں بھی ایسے کئی مواقع آئے جب محمد ﷺ نے کھل کر اس بات کی پیشن گوئی کی کہ ایک دن اللہ اپنے فضل سے اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور یہ کہ مسلمانوں کی غربت ثروت میں بدل جائے گی۔ مدنی دور میں بھی خندق کے موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے روم و فارس کے فتح کی خوش خبری سنائی۔ کچھ لوگوں نے اس پیشن گوئی کا مذاق اڑایا لیکن کچھ لوگوں نے نبی ﷺ کی بات مان کر اسلام قبول کر لیا۔ یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔

مشرکین مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر اللہ کے نبی ﷺ اور صحابہؓ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کر لی۔ اللہ کے فضل سے مدینہ میں حالات ساز گار تھے۔ جلد ہی نبی کریم ﷺ کی سربراہی میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی حکومت بن گئی۔ صحابہ کرامؓ دل و جان سے تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ اور پھر اللہ کے فضل سے نبی ﷺ کی زندگی ہی میں کامیابیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ فتوحات کا یہ سلسلہ نبی کریم ﷺ کے انتقال پہ بھی نہ رکا۔ ایک ایک کر کے نبی کریم ﷺ کی ہر پیشن گوئی درست ثابت ہونے لگی۔ آئے روز بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوتے رہے۔ یہ نو مسلم اپنے ساتھ نت نئی سوچ اور نیا تجربہ لے کر آئے اور اسلام کے زیر سایہ ترقی کرنے لگے۔ جلد ہی اللہ کے فضل سے مدینہ کی اس ریاست نے قیصر و کسریٰ کا غرور خاک میں ملا دیا۔

جزیہ اور تبلیغ کا تاریخی تضاد:

مولانا سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ضمن میں رقمطراز ہیں۔ عبدالملک پہلا حکمران تھا جس نے لوگوں کو تبلیغ سے منع کیا۔[2] لیکن مولانا نے یہاں تفصیل بیان نہیں کی کہ آخر کیا وجہ بنی کہ ایک مسلمان خلیفہ نے لوگوں کو دین کی تبلیغ سے منع کیا۔ طبقات ابن سعد کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی سیاسی زندگی میں لکھا ہے۔ کہ جب مصر میں لوگوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا اور جزیہ کی آمدنی میں کمی آئی۔ تو خلیفہ نے مصر کے گورنر کے نام خط ارسال کیا۔ حکم ہوا کہ لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکے۔[3] اسلام کی تبلیغ کے ساتھ یہ رویہ جاری رہا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز حکمران بن گئے۔ تب شرحبیل بن حبان مصر کے گورنر تھے۔ اس نے حسب دستور خلیفہ کو خط لکھا کہ یہاں لوگ تیزی سے مسلمان ہو رہے ہیں جس سے جزیہ کی آمدنی میں کمی آ رہی ہے۔ اس کے تدارک کی ضرورت ہے۔ اس خط کے جواب میں عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ اللہ نے محمد (ﷺ) کو انسانیت کی ہدایت کے لیئے داعی بنا کر مبعوث کیا۔ اللہ نے محمد (ﷺ) کو انسانیت سے ٹیکس وصول کرنے والا نہیں بنایا۔ یعنی خلیفہ نے گورنر کو یاد دلایا کہ دین اسلام کی دعوت محصولات سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ اس حکم کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں لوگ بہت مسلمان ہوئے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیکس میں بہت کمی آ گئی۔ اس مسئلہ کا علاج عمر نے سرکاری اخراجات میں سادگی سے کیا۔[4] اس کے علاوہ کوئی انتظام عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں مجھے نہیں ملا۔

اندازہ یہ ہے کہ بنو امیہ کے لوگ اور سرکاری حکام عمر کے اس فیصلہ سے خوش نہیں تھے۔ اسی وجہ سے حکام نے عمر کو مشورہ دیا گیا کہ یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہوتے۔ آپ ایسا کریں کہ قبول اسلام کے فوراً بعد ان کو ختنہ کا حکم دے دیں۔ لیکن خلیفہ نے جواب دیا کہ کیا میں ختنہ کی وجہ سے لوگوں کو اسلام سے روک دوں۔ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ اسلام ان کے

CC BY

دلوں میں جم جائے گا تب وہ خود ہی ختنہ کرالیں گے۔[5] عمر کے بعد یزید بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ اسی یزید کے طرز عمل سے بنو امیہ کی ناراضگی ظاہر ہوتی ہے۔ بطور حکمران یزید نے اپنے پہلے حکم نامے میں لکھا کہ عمر بن عبد العزیز ایک فریب خوردہ شخص تھا۔ عمر کے زمانے کے طریقوں کو ترک کر دو۔ لوگوں کو پہلی حالت کی طرف واپس لوٹا دو۔ چاہے لوگ اسے پسند کریں یا ناپسند۔ چاہے لوگ جئیں یا مر جائیں۔[6] اس سے پتہ چلتا ہے کہ تضادات میں پھنس کر لوگ کس قسم کے فیصلے کرنے لگتے ہیں۔ اندازہ یہی ہے کہ تمام مسلمان حکمرانوں کے پاس اس مسئلہ کا کوئی قابل عمل علاج نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تبلیغ کو جزیہ پہ قربان کر دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ حکومت کی اس پالیسی کے نتائج آنا شروع ہو گئے۔

1. بد دل ہو کر دین دار مسلمانوں نے حکومت کی نوکری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کئی دیندار افراد نے اپنی زندگی دین کی انفرادی دعوت کے لیئے وقف کر دی۔
2. حکومت کے اخراجات بڑھتے چلے گئے۔
3. حیلے بہانوں سے کام لے کر حکومت نے مسلمانوں پر بھی رفتہ رفتہ ٹیکس لاگو کر دیا۔
4. مسلمان حکومتوں نے مالیات کو گروی رکھ کر یہود بنکاروں (جہبذ) سے سودی قرضے لینے شروع کر دیئے۔
5. تبلیغ کی وجہ سے دشمن کی صفوں میں ہمارے وفادار پیدا ہوتے تھے۔ تبلیغ ترک کرنے کی وجہ سے ہمارے صفوں میں دشمن کے وفادار پیدا ہونے لگے۔
6. مسلمان حکومتوں میں بغاوتیں عام ہو گئیں۔ البتہ ایک بات عجیب ہے کہ بغاوتوں کو افرادی قوت کیسے مل جاتی تھی؟

ٹیکس کے معاملات پر اختلافات کی ابتداء خلافت راشدہ میں ہوئی۔ شاہ معین الدین احمد ندوی اپنی کتاب خلفائے راشدین میں ایسا ہی ایک واقعہ لکھا ہے۔ حضرت عثمانؓ (خلیفہ) نے عمرو بن عاصؓ (گورنر مصر) کو لکھا کہ خراج میں اضافہ کیا جائے۔ گورنر نے جواب دیا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ خلیفہ نے گورنر کو معزول کر کے عبد اللہ بن ابی سرحؓ کو گورنر بنا دیا جس نے کوشش کر کے خراج کی مقدار دگنی کر دی۔ اس پر خلیفہ نے پرانے گورنر سے کہا۔ دیکھو آخر اونٹنی نے دودھ دے دیا۔ جواباً عمرو بن عاص نے کہا کہ ہاں دودھ تو دیا مگر بچے بھوکے رہ گئے۔[7] اندازہ یہی ہے کہ ٹیکس کے مسئلہ نے بہت پہلے سر اٹھا لیا تھا۔ عوام میں اس سے بے چینی پھیل رہی تھی۔ کچھ لوگ بڑھتے ٹیکس سے پریشان تھے۔ عمرو بن عاص انہی لوگوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اور کچھ لوگوں کو اپنی تنخواہوں کا خیال ستا رہا تھا۔ حضرت عثمانؓ ان کی بات کر رہے تھے۔ خواص میں اس معاملے پہ اختلاف پایا جاتا تھا۔ میرا اندازہ یہی ہے کہ ایسے ہی حالات نے امام ابو حنیفہؒ کو تمویل کی طرف متوجہ کیا۔

خود حضرت عمرؓ نے ہر شخص کو خود کفیل بننے کا حکم دیا۔ علماء کو خاص طور پر دیگر لوگوں پہ بار بننے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ابن الجوزی تاریخ عمرؓ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے علماء سے فرمایا۔ اے قراء (علماء) کی جماعت اپنے سروں کو اونچا رکھو۔ راستہ کھلا ہوا ہے۔ مال کمانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ۔ اور مسلمانوں پہ بوجھ نہ بنو۔[8] کچھ تو خلیفہ دوم نے دیکھا ہو گا جس کی اصلاح کے لیئے یہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں پہ بوجھ نہ بنو۔ خلیفہ اول ابو بکرؓ صدیق کا عمل ہم سب کے لیئے مشعل راہ ہے۔ خلیفہ بننے سے پہلے کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ خلیفہ بننے کے بعد حسب معمول کچھ کپڑے کندھے پہ رکھ کر بازار کی طرف جا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اگر تم کاروبار میں مصروف ہو گئے تو خلافت کے کام کا کیا بنے گا۔ یوں مشورہ سے خلیفہ اول کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔[9] اس واقعہ میں ہم سب کے لیئے سبق ہے۔ ہم مفت خوری سے دور رہیں۔ تجارت وغیرہ میں دلچسپی لیں۔ ہاں اگر معاشرہ اپنی ضرورت کے لیئے ہمیں ہمارے کام سے منع کر دے تو پھر بات الگ ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ ان مسائل کی موجودگی میں امام اعظمؒ کا کیا معمول رہا۔

مذکورہ حالات میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا عمل:

امام صاحب کا عمل بعض اعتبار سے تو دیگر ہم عصر تقویٰ دار افراد کی طرح ہے۔ مثلاً امام صاحب نے بھی حکومت کی نوکری قبول کرنے سے انکار کیا۔[10] اسی طرح اپنی ذاتی زندگی میں امام صاحب نے سادگی بھی اپنائی۔ لیکن جو بات امام صاحب کو دیگر ہم عصر افراد سے ممتاز کرتی ہے وہ خود کفالت کے راستے شریعت کے مقاصد کا حصول ہے۔ امام صاحب کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک چھوٹی سی دکان تھی جو یقیناً ان کی ذاتی ضروریات کے لیئے کافی تھی۔ لیکن امام صاحب نے حضرت زبیر بن عوام () کی طرح عوام سے ان کی بچتیں قرض لے کر اپنے کاروبار کو ترقی دی۔ کپڑے کی چھوٹی سی دکان ایک کارخانے میں بدل گئی۔ اس کارخانے میں ایک بہترین کپڑا ابنام خزبڑے پیمانے پر تیار کیا جاتا تھا۔ کاروبار نے خوب ترقی کی اور بھرپور نفع کمانا شروع کیا۔ لیکن خود حضرت زبیر بن عوام () کے برعکس امام صاحب نے یہ منافع وراثت میں نہیں چھوڑا بلکہ اس منافع کو بھی آخرت کے حصول کا ذریعہ بنا دیا۔ امام صاحب نے اپنی سربراہی میں مختلف شعبوں کے ماہرین کی ایک جماعت تشکیل کی۔ ان ماہرین کی تنخواہیں مقرر کیں تاکہ وہ فکر روزگار سے بے نیاز ہو جائیں۔ اور ماہرین کی اس جماعت کو بیس سال کے لیئے قرآن و سنت کی روشنی میں فقہ کی تحقیق پہ لگا دیا۔ دوسری طرف دینی تعلیم کے لیئے ایک مدرسہ قائم کیا۔ تاکہ طلباء کو قرآن، سنت اور فقہ کی تعلیم دی جا سکے۔ طلباء کے وظائف مقرر کیئے تاکہ وہ یک سوئی کے ساتھ اپنی تعلیم پہ توجہ دے سکیں۔ جہاں ضرورت ہوئی وہاں طلباء کے والدین کے بھی وظائف مقرر فرمائے۔ کسی نے اگر تحفہ پیش کیا تو موقع پر ہی اس کو نسبتاً بہتر تحفہ عطا فرما دیا۔ اور وصول شدہ تحفہ طلباء پہ صدقہ کر دیا۔ ضرورت مندوں کو بلا سود قرضے بھی دیئے۔ جس مقروض کو بھی قرض واپس کرنے سے عاجز پایا اس کو قرض معاف کر دیا۔ ایسا بھی موقع آیا کہ امام صاحب نے کوئی شے خریدتے وقت فروخت کنندہ کو اس کی بتائی ہوئی قیمت سے زیادہ قیمت ادا کی۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک فروخت کنندہ شے کی صحیح قدر سے ناواقف تھا۔ کتنے ہی رفاعی کاموں میں بھرپور مالی مدد کی۔ یہ ساری خدمات مذکورہ کاروبار کے نفع سے پایہ تکمیل تک پہنچائی گئیں۔ کوئی چندہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی سرکار سے کوئی مدد طلب کی گئی۔ حنفی فقہ اسی بیس سالہ محنت کا ثمر ہے۔

مالیات کے شعبے میں امام صاحب کا مقام:

فنانس کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں نے بہت کوشش کی کہ امام صاحب کے مالیات کے نظام کو مروجہ اسلامی بنکاری میں کہیں نہ کہیں فٹ کر دوں۔ مگر یہ بات ممکن نظر نہیں آتی۔ اس وقت دنیا میں جتنی بنکاری ہو رہی ہے وہ ایک بنیادی مفروضے پہ قائم ہے۔ وہ مفروضہ یہ ہے کہ پیسہ ایک کمیاب شے ہے۔ اس کی رسد کم اور طلب زیادہ ہے۔ ایسی تمام اشیاء جن کی طلب زیادہ اور رسد کم ہو ان کو معاشی اشیاء (Economic Goods) کہتے ہیں۔ یہ اشیاء بازار میں قیمتاً دستیاب ہوتی ہیں مفت نہیں ملتیں۔ اب جب پیسہ ایک معاشی شے ہے تو پھر پیسے کے خدمات کی قیمت ہونی چاہیئے۔ یہ ہے وہ مفروضہ جس پہ مروجہ بنکاری بشمول اسلامی بنکاری کی ساری عمارت کھڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی بنکاری اور قرض حسن میں بیر ہے۔ لطیفہ مشہور ہے کہ ایک فرد نے بنک جا کر اپنے کاروبار کے لیئے تمویل کی درخواست کی۔ اس کو بتایا گیا ہم آپ کو قرض دے دیں گے سالانہ اتنی مقدار میں سود دینا ہو گا۔ اس کو مولوی صاحب کی بات یاد آئی کہ سود بری شے ہے۔ پس وہ قرض لیئے بغیر ہی باہر آ گیا۔ سامنے ہی اسلامی بنک تھا۔ اس نے وہاں جا کر تمویل کی درخواست کی۔ اس کو بتایا گیا کہ طریقہ کار قدرے طویل ہے لیکن پیسہ آپ کو مل جائے گا۔ سود نہیں ہو گا لیکن کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔ اس پہ وہ فرد بولا کہ چھری تربوز پہ گرے یا تربوز چھری پر کٹا تربوز نے ہے۔ یوں وہ مایوس ہو کر اسلامی بنک سے بھی باہر آ گیا۔ اس مثال سے ثابت ہوا کہ موجودہ کل بنکاری انسانیت کی ضروریات کے لیئے ناکافی ہے۔ جس نظام کا مرکز محنت کش انسان کے بجائے پیسہ ہو وہ نظام ترقی کے نام پہ ڈرامہ تو کر سکتا ہے۔ ترقی نہیں کروا سکتا۔ اس نظام کا لازمی نتیجہ غربت، مہنگائی اور بے روزگاری ہے۔ درج ذیل خاکہ میں اسی بات کی وضاحت کی گئی ہے۔

CC BY

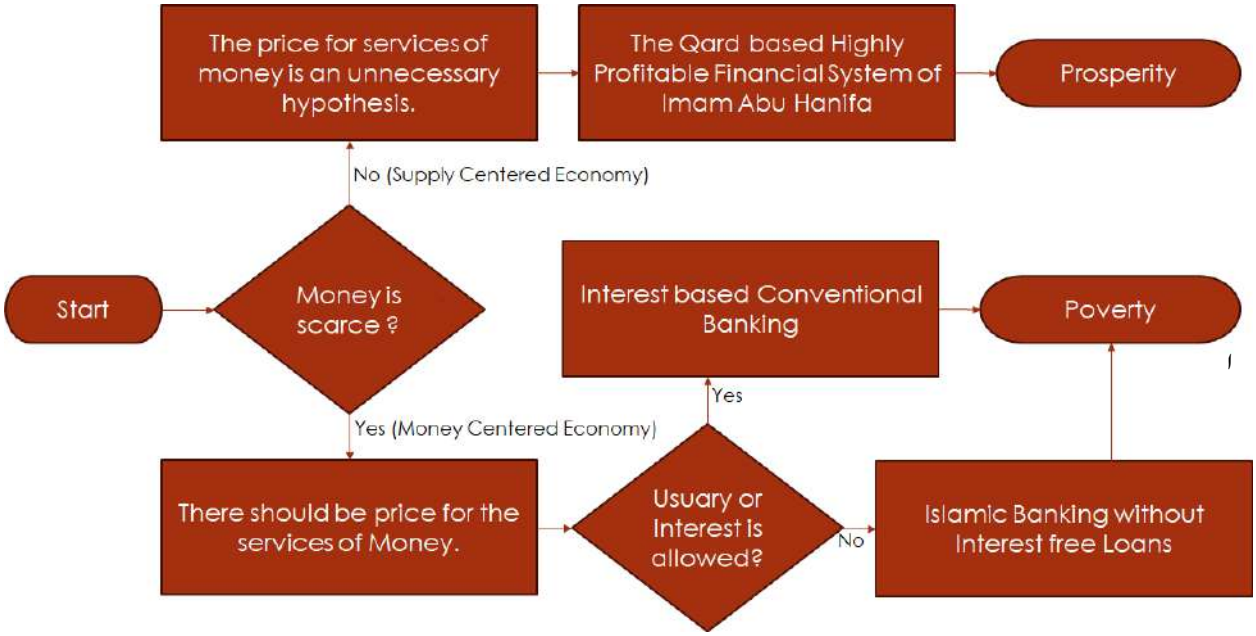

اس کے برعکس امام ابو حنیفہؒ ایک دوسرے جہاں کے مسافر نظر آتے ہیں۔ ان کے عمل سے تو یوں لگتا ہے کہ وہ پیسہ کو فری گڈ (Free Good) سمجھتے ہیں۔ درحقیقت پیسہ ایک مصنوعی شے ہے۔ معاشرے نے اسے ایجاد کیا ہے۔ پیسہ اپنے وجود اور کمائی دونوں کے لیئے معاشرے کا محتاج ہے۔ پیسے کی معاشرے سے آزاد کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا میں اگر کسی علاقے میں پیسہ نہ ہو تو ہنر مند کا ہنر یعنی رسد پیسے کی جگہ کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن اگر دنیا کے کسی علاقے میں انسان نہ ہوں اور کسی حادثے کے نتیجہ میں اگر وہاں پیسہ پہنچ جائے تو پیسہ وہاں پہنچتے ہی بے کار ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر پیسے کو صرف وہ ادائیگی ہو سکتی ہے جو ایک آزاد اسلامی معاشرے میں قابل قبول ہو۔ یہ ادائیگی کچھ بھی ہو لیکن سود نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سود کی عمارت جھوٹ اور مکر و فریب پہ کھڑی ہے۔

مقصد بمقابلہ ضرورت:

اب تک کی بحث سے یہی اندازہ ہوا کہ مسلمان حکمرانوں کی ذہنی پرواز سادگی اور ٹیکس سے آگے کبھی نہیں گئی۔ جن کو عام مسلمان اچھا کہتے ہیں وہ عمر کی طرح سادگی پسند ہوتے ہیں۔ ٹیکس کم سے کم لاگو کرتے ہیں۔ ایسے حکمرانوں سے سرکاری ملازمین ناراض رہتے ہیں۔ اس کے بجائے جو ٹیکس زیادہ لاگو کرتے ہیں۔ ان کو عوام پسند نہیں کرتے۔ عام طور پہ یہ سادگی پسند نہیں ہوتے۔ ایسے حکمرانوں کے ہاں ملازمین کی چاندی ہو جاتی ہے۔ درحقیقت یہ سب رویئے مذکورہ تضاد کی مختلف شکلیں ہیں جو بار بار ظاہر ہو رہی ہیں۔ یاد رکھیں کہ سادگی، صدقات اور ٹیکس سب ضرورت ہیں۔ اصول یہ ہے کہ ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ یہی بات ہمیں اللہ کے نبی ﷺ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ شریعت ضروریات کا بقدر ضرورت خیال رکھتی ہے لیکن مقاصد کے لیئے سرگرمی سے کام کرتی ہے۔ اپنے ہم عصر عام لوگوں کے برعکس ہمیں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی زندگی میں یہی سرگرمی ملتی ہے۔ امام صاحب کی زندگی میں ہمیں دین کی حفاظت کے حوالے سے کوششیں ملتی ہیں۔ تدوین فقہ امام صاحب اور ان کے رفقاء کی اسی نوعیت کی ایک کاوش ہے۔ لیکن دیگر قابل احترام علماء کے برعکس ہمیں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں نہ تو چندہ ملتا ہے اور نہ ہی سرکار کی مدد ملتی ہے۔ ہمیں امام صاحب اپنی مدد آپ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لوگ مدد مانگنے کے لیئے امام صاحب کے پاس آتے تھے۔ ہمیں امام صاحب کے ہاں خود کفالت ملتی ہے۔ حقیقی معنوں میں خود کفیل فرد ہی آزاد ہوتا ہے اور آزادی سے اپنی مرضی کے فیصلے کرتا ہے۔ شاہی دربار میں بھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ تمہارے پاس ایسا کچھ نہیں جس کا کوئی ارمان کر سکے۔ ہمیں امام صاحب کے ہاں کاروبار اور قرض حسن کے اشتراک پر مبنی ایک انتہائی منافع بخش مالی نظام ملتا ہے۔

اگر سورۃ النساء کی آیت نمبر 5 کی روشنی میں بات کی جائے تو امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا مالی نظام مسلمان کے مال کی حفاظت بلکہ مسلمان کے دین کی حفاظت کے لیئے ایک کامیاب عملی کوشش تھی۔ اس مالی نظام نے عرصہ بیس سال تک امام صاحب کے زیر نگرانی حنفی فقہ کی تحقیق اور تعلیم کی خاطر وافر مالیات کی فراہمی یقینی بنائی۔ امام صاحب کی خواہش تھی کہ ان کے بعد ان کے شاگرد اس مالی نظام کو جاری رکھیں۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ مسلمان حکمرانوں نے تبلیغ کو ترک کیا اور نتیجتاً مسلمان کے صفوں میں غدار پیدا ہوئے۔ حنفی علماء نے امام صاحب کا مالی نظام ترک کیا۔ علماء کے ان فیصلوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمان ممالک میں تمویل کے شعبہ میں خلا پیدا ہو گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس بکری کو ہم نے خود ذبح کیا۔ اب آئے دن لوگوں سے لڑتے ہیں کہ مردہ بکری سے کھال کیوں اتار دی۔ اس خلا کو سود خوروں نے پر کیا۔ امام صاحب کے زمانے میں ان سود خوروں کو جہبذ کہتے تھے۔ سرکار بھی مالیات کو گروی رکھ کر ان سے قرض لیتی تھی۔ نتیجتاً سودی بنکاری نظام مسلمان ممالک میں بھی پھیل گیا۔ خلافت عثمانیہ کی ایک سودی قرض کی دستاویز منسلک ہے۔

ایمان یا انتظام:

میں مینیجمنٹ سائنس کا ایک طالب علم ہوں۔ میں نے بار بار اس امر کا مشاہدہ کیا کہ ہم مسلمان خصوصاً مبلغین حضرات اکثر مسائل کو ایمان کا مسئلہ بنا دیتے ہیں۔ کہہ دیا جاتا ہے کہ پہلے ایمان بناؤ پھر مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ پھر سب لوگ ایمان کی محنت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ عرصہ دراز سے امت کے حقیقی مسائل حل طلب ہیں۔ لیکن کیا کریں ابھی ایمان نہیں بنا۔ وہ بات کہ نہ نو من تیل ہو گا اور نہ رادھا ناچے گی۔ ایک مثال سے ممکن ہے کہ میری بات بہتر سمجھ آجائے۔ کئی مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ وضو کرتے وقت پانی بہت ضائع ہو جاتا ہے۔ علماء اس بات پہ پریشان ہوتے ہیں۔ تقریریں کر کر کے لوگوں کو پانی کے اسراف سے منع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن وضو کے دوران پانی ویسا ہی ضائع ہوتا رہتا ہے۔ وجہ پوچھو تو کئی دوست یہ کہتے ہیں کہ ابھی ہمارا ایمان نہیں بنا۔ اسی وجہ سے ہم سے نیک کام میں بھی کوتاہی ہو جاتی ہے۔ میرا مشاہدہ مجھے کچھ اور بتا رہا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایمان کے بجائے انتظام کا مسئلہ ہے۔ ہمیں مسجد میں عام نلکوں کے بجائے وال والے نلکے نصب کرنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ اب تو کئی مساجد میں وال والے نلکے استعمال ہو رہے ہیں۔ اس معمولی تبدیلی سے مساجد میں پانی کی بہت بچت ہو رہی ہے۔ اس بحث سے میں یہ نتیجہ اخذ کر رہا ہوں کہ دنیا کے ہر مسئلہ کو ایمان کا مسئلہ کہہ دینا درست طرز عمل نہیں ہے۔ بہتر انتظام سے بہت سارے مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔ بہتر انتظام کی ضرورت اس لیئے بھی ہے کیونکہ احادیث کے مطابق ہر آنے والا زمانہ ایمانی اعتبار سے نسبتاً کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

اس وقت تبلیغی جماعت اپنی ایمانی محنت کے لیئے پوری دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اچھے و برے ہر جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ تبلیغی جماعت کی بڑی خدمات ہیں۔ یہ حضرات عوام الناس کو گھر کی دہلیز پر دین کی مفت آگاہی (Awareness / outreach) فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے روائتی ادارے تعلیم (Education) اور تحقیق (Research) کی حد تک تو کام کر رہے ہیں۔ لیکن ان اداروں کا ایک اصول ہے کہ کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا بلکہ پیاسے کو خود چل کر کنویں کے پاس آنا پڑتا ہے۔ مسئلہ ان بے طلب لوگوں کا ہے جن کے دل میں کسی بھی وجہ سے دین اسلام کی پیاس نہیں ہے۔ غیر مسلموں کے علاوہ ان بے طلب لوگوں میں خود مسلمان بھی ایک بڑی تعداد میں شامل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مردم شماری میں بطور مسلمان درج ہیں لیکن عملی طور پر دین اسلام سے دور ہیں۔ یہ بے طلب لوگ اداروں کے پاس نہیں آتے۔ دین کی دعوت لے کر ان کے پاس جانے کی ضرورت تھی۔ تبلیغی جماعت نے یہی ضرورت پوری کی۔ مجھے نفس تبلیغ سے کوئی اختلاف نہیں۔ میرا اختلاف یہ ہے کہ تبلیغ کے وسائل کو ایمان کے بجائے انتظام پہ زیادہ لگانے کی ضرورت ہے۔

تبلیغی نصاب میں شامل محمد احتشام الحسن کی ایک کتاب بنام مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج ہے۔ یہ کتاب تبلیغ والوں کے پاس با آسانی مل جاتی ہے۔ اس کتاب میں مسلمانوں کی موجودہ پستی کی بنیادی وجہ مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری بتائی گئی ہے۔[11] تبلیغی جماعت دعوت و تبلیغ کے ذریعے ایمان کی اس کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ جب امت کے اکثریت کا ایمان مضبوط ہو جائے گا تو اللہ کا فضل متوجہ ہو گا اور مسلمانوں کو دوبارہ ترقی نصیب ہو گی۔ مجھے بصد ادب فاضل مصنف کی اس تشخیص سے اختلاف ہے۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب میں بہترین زمانہ میرا ہے۔ پھر جو ان سے نزدیک ہیں، پھر جو ان سے نزدیک ہیں پھر جو ان سے نزدیک ہیں۔ سیدنا عمران رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ٹھیک سے نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے بعد دو کا ذکر فرمایا یا تین کا ذکر فرمایا۔ پھر ان کے بعد وہ لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی کے مطالبہ کے بغیر گواہی دیں گے، خائن ہوں گے اور امانتداری نہ کریں گے، نذر مانیں گے لیکن پوری نہ کریں گے اور ان میں موٹاپا پھیل جائے گا۔[12] اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ایمان میں کمی آنا ایک لازمی امر ہے جسے واپس کرنا ایک لاحاصل محنت ہے۔ ایمان میں آنے والی اس کمی کو انتظام سے پورا کرنا پڑے گا۔ خیانت کا ذکر کر کے اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا۔

میری بات کی تصدیق درج بالا تاریخی واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جزیہ کی خاطر لوگوں کو تبلیغ سے منع کیا۔ اب یہ بات تو ماننے کی نہیں کہ خلافت راشدہ کے فوراً بعد لوگوں کا ایمان اتنا کمزور ہو گیا کہ وہ ضروریات کی خاطر مقاصد کو قربان کرنے پہ تیار ہو گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جزیہ کا یہ مسئلہ اتنا خطرناک ہے کہ اچھے اچھے لوگ یہاں پھسل جاتے ہیں۔ عبدالملک کے بعد پوری اسلامی تاریخ میں صرف عمر بن عبدالعزیز ہی ایک ایسا حکمران گزرا جس نے عبدالملک کی مذکورہ پالیسی کے خلاف عمل کیا۔ اس بات سے آپ کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں یہ میں آپ پہ چھوڑتا ہوں۔ مجھے تو یہی سمجھ آرہی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز ایک بڑا ہی خاص انسان تھا۔ ایسا انسان جو روز روز پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی روز روز ایسی امید رکھنی چاہیئے۔ اب ایسے نایاب فرد کے انتظار میں امت کے ماہ و سال ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کو یہ بات سمجھ آگئی تھی۔ اسی لیئے امام صاحب نے ایسا خود کار مالی نظام بنایا جس سے امت خود کفیل ہو جائے۔ تاکہ عام آدمی کی زندگی آسان ہو جائے۔ اس نظام کی مدد سے حکومت جزیہ کے بغیر چلائی جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنے زیر اثر علاقوں میں یہ مالی نظام نافذ کریں۔ افسوس ایسا نہ ہو سکا۔

اصول یہ ہے کہ جب شرط نہیں رہتا تو مشروط نہیں رہتا۔ شرط سے میری مراد امام ابو حنیفہؒ کا مالی نظام ہے۔ اسی طرح فقہ کی تحقیق و تعلیم کو میں مشروط کہتا ہوں۔ حنفی فقہ کی تحقیق کا کام زور و شور سے جاری تھا جب تک اس کی پشت پہ مذکورہ مالی نظام موجود تھا۔ تب تک یہ فقہ وقوع سے بھی پہلے مسائل کا حل پیش کر دیتا تھا۔ پھر یہ مالی نظام نہ رہا۔ وہ حنفی فقہ جو اللہ کے سوا کبھی کسی کا محتاج نہیں رہا وہ صدقات کا محتاج ہو گیا۔ اگر آپ کو اب بھی یہ بات سمجھ نہیں آرہی تو صرف اتنا سوچ لیں کہ کونسا ہاتھ بہتر ہے دینے والا یا لینے والا۔ کبھی سنا ہے کہ دینے والا کس لہجہ میں بات کرتا ہے اور لینے والے کا لہجہ کیسا ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے شاہی دربار میں یہ فقرہ بولا۔ آپ کے پاس ایسا کچھ نہیں جس کا کوئی ارمان کر سکے۔ اب امت کے پاس ایسا فقرہ بولنے والے علمائے کرام کتنے ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ دینے والا عالم جس لہجہ میں مشورہ (فتویٰ) دیتا ہے لینے والا اس لہجہ کو سوچ بھی نہیں سکتا۔ امت نے امام ابو حنیفہؒ کا مالی نظام چھوڑ کر دین اور اہل دین کو ذلت کی پستی میں دھکیل دیا۔ البتہ یہ کام یکلخت نہیں ہوا تدریجاً ہوا ہے اس لیئے لوگوں کو اپنی غلطی کی سمجھ نہیں آئی۔

بعض اوقات ایک بہت ہی شاندار گاڑی ایک ادنیٰ پرزے کی وجہ سے بے کار ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض تقویٰ دار احباب کے نزدیک مال کی حفاظت کوئی اتنا اعلیٰ مقصد نہ ہو۔ مگر حقائق اس سوچ کے خلاف ہیں۔ امام صاحب کے مالی نظام کو ترک کر کے امت نے شریعت کے سارے مقاصد کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ نتائج سورۃ النساء کی آیت نمبر 5 کے عین مطابق ہیں۔ اس آیت میں اللہ امت کو منع کر رہا ہے کہ اپنے اموال کا کنٹرول اپنوں میں سے بے وقوفوں کو مت دو کیونکہ اس پہ امت کے قیام کا دارومدار ہے۔ اور امت نے اپنے مال کا کنٹرول اللہ اور اس کے نبی ﷺ کے کھلے دشمن سود خوروں کو دے دیا۔ ایسے حالات میں کیسے اچھائی کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اللہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔[13] اگر امت کے پاس نکاح نہ ہو تو زنا کا تدارک بہت مشکل ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح اگر قرض حسن نہ ہو تو سودی قرض کو روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ صرف ایک فقیہہ نہیں تھے وہ کاروبار

CC BY

اور مالیات کے شعبہ جات کے ایک بہترین منتظم بھی تھے۔ افسوس کہ امت نے مالیات کے شعبہ میں امام صاحب سے کچھ نہیں سیکھا۔ اس وجہ سے مسلمان ممالک میں سود والوں کی چاندی ہو گئی ہے۔ مسلمان ممالک سودی قرض میں پھنس کر بنکوں کی غلامی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اللہ کے فضل سے فراوانی کا نیا دور:

موجودہ اقتصادیات کی ساری عمارت ایک بنیادی مفروضے پہ کھڑی ہے۔ یہ کہ انسان کی خواہشات بہت زیادہ ہیں لیکن ان خواہشات کو پورا کرنے کے لیئے وسائل محدود ہیں۔ چلیں اس مفروضے کا جائزہ لیتے ہیں۔ سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ زمین پہ ضرورت کی ساری اشیاء ایک دائرے میں چل رہی ہیں۔ ایسی اشیاء کیونکر محدود ہو سکتی ہیں۔ پانی ہی کی مثال لے لیں۔ سورج کی روشنی سے سمندر کا پانی گرم ہو کر بھاپ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہی بھاپ اوپر جا کر بادل بن جاتے ہیں۔ انہی بادلوں سے زمین پر بارش ہوتی ہے۔ یوں پہاڑوں پر بھی پانی پہنچ جاتا ہے۔ کتنے ہی پہاڑوں پر یہی پانی برف کی صورت میں سال ہا سال محفوظ رہتا ہے۔ برف پگھلنے سے چشمے، ندیاں، نالے اور دریا بنتے ہیں۔ زمین یہی پانی چوس کر محفوظ کر لیتی ہے۔ کنویں سے ہم یہی پانی نکال کر اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ دریاؤں کے راستے یہ سارا پانی واپس سمندر میں پہنچ جاتا ہے۔ یوں دائرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ یہی صورت حال دیگر اشیاء کا بھی ہے۔ پانی کا مذکورہ قدرتی نظام عرصہ دراز سے زمین پہ کامیابی سے کام کر رہا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ ہوا یوں کہ مولوی صاحب نے انسانیت کی فکر چھوڑ کر امام صاحب کے تمویلی نظام کو ترک کر کے سرکاری نوکری اختیار کر لی۔ جن مولوی صاحبان کو نوکری نہ ملی ان کی اکثریت نے عوام سے مسجد اور مدرسہ کا نام لے کر چندے بٹورنے شروع کر دیئے۔ یہ ساری تبدیلی ایک دن میں نہیں ہوئی۔ شروع میں پتہ اس لیئے نہیں چلا کہ دنیا پہ حکومت اپنی تھی۔ سود خوروں نے تب اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ تب وسائل بہت تھے۔ رفتہ رفتہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 5 سے بے خبر انسانیت نے اپنے اموال کا کنٹرول دیندار افراد کے بجائے سود خوروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ رفتہ رفتہ انسانیت کا ہر کام سود کے بوجھ تلے دب گیا۔ اور اب یہ دن آ گیا کہ دنیا میں پانی (اور ضرورت کی دیگر اشیاء) کی قلت شروع ہو گئی ہے۔

ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں جتنی قلت ہے یہ سب مصنوعی ہے۔ سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ عافیت کے ساتھ تمام انسانوں کی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ لیکن موجودہ بنکاری نظام نے سائنس کی اس ترقی کو عملی زندگی سے دور لائبریری میں بند کر دیا ہے۔ بہت بڑی تعداد میں منصوبے اس وجہ سے سرد خانے میں پڑے ہیں کیونکہ وہ سود کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے۔ پوری دنیا میں کارخانے اپنی اصل پیداواری استعداد سے کم پہ کام کر رہے ہیں۔ موجودہ قلت طلب یا رسد کی وجہ سے نہیں ہے۔ مسئلہ طلب اور رسد کو ملانے والے پل یعنی پیسے کا ہے جس کا کل کنٹرول اللہ کے پیغام سے بے خبر انسانیت اور مفاد پرست سیاست دانوں نے بنکاری نظام کو دے رکھا ہے۔ موجودہ بنکاری علاج نہیں خود مسئلہ ہے۔ رائج اسلامی بنکاری بھی علاج نہیں بلکہ خود مسئلہ ہے۔ مرکزی بنک اپنی مانیٹری پالیسی سمیت اسی مسئلہ کا حصہ ہے۔ جو لوگ پیسہ کو جانتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ موجودہ بنکاری نظام پیسہ کی قانونی جعل سازی میں ملوث ہے۔ سود تو بعد میں آتا ہے۔ علماء سود کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جعل سازی کے معاملے پہ علماء نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ اس سب بیماریوں کا علاج امام ابو حنیفہؒ کا تمویلی نظام ہے۔ اللہ کے فضل سے اس تمویلی نظام کا ایک چھوٹا تجربہ سال 2011 سے اب تک واہ کینٹ کے ایک سکول میں علماء اور ماہرین کے زیر نگرانی کامیابی سے جاری ہے۔ اللہ کی شان دیکھ لیں۔ مہنگائی و بے روزگاری کے جو مسائل عقل حل نہیں کر سکی۔ ان مسائل کو امام ابو حنیفہؒ کا تمویلی نظام کامیابی سے حل کر رہا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ سائنس و فلسفہ دونوں اپنی بقا کی خاطر امام ابو حنیفہؒ کے تمویلی نظام کے محتاج ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے تمویلی نظام کی مدد سے ہم ان انتظامی کمزوریوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک سکتے ہیں۔ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بنسری۔ دنیا سے مہنگائی اور بے روزگاری ختم کی جا سکتی ہے۔ خود تعلیم کو سستا کیا جا سکتا ہے۔ صحت کو سستا کیا جا سکتا ہے۔ ممالک کو ٹیکس کے بغیر چلانا ممکن ہے۔ چندہ لینے والے کو چندہ دینے والا بنایا جا سکتا ہے۔

فکری و عملی خلاء:

اصول یہ ہے کہ خلاء کبھی خالی نہیں رہتا۔ اچھا یا برا جو بھی اسے بھر دے خلاء اسی کا ہو جاتا ہے۔ تمویل میں کئی سطح پر خلاء موجود ہے۔ پہلے عالمی سطح پر بات کر لیتے ہیں۔ دنیا بھر کی حکومتوں نے نئے پیسے کی ملکیت پر بنکوں کا حق تسلیم کر لیا ہے۔[14] حالانکہ اس پیسے پر حکومت کا حق تھا۔ بہت سارے لوگ خاموش ہیں۔ لیکن کچھ ذمہ دار تعلیم یافتہ افراد بنکوں کی اس حرکت کو قانونی جعل سازی ہی کہتے ہیں۔ یہ مصیبت مسلمان ممالک میں بھی سرایت کر گئی ہے۔ اگر حکومت اپنے اس ایک فیصلے کو ہی واپس لے لے تو عوام پہ ٹیکس کا بوجھ ختم کیا جا سکتا ہے۔

اکنامکس خود کو سائنس کہتا ہے۔ لیکن یہ سائنس تضادات سے بھرپور ہے۔ اکنامکس میں یہ بات پڑھائی جاتی ہے کہ تمام مرکزی اور کمرشل بنک نئے پیسے کو خلاء سے وجود میں لاتے ہیں۔ انگریزی میں اس عمل کو کریڈٹ کری ایشن (Credit Creation out of Nothing) کہتے ہیں۔[15] ابھی اکنامکس کی اس بات پہ میرا تبصرہ رہنے دیں۔ صرف اس سوال کا اکنامکس جواب دے دے کہ جس شے (یعنی پیسہ) کو ہم جب چاہیں جتنا چاہیں خود خلاء سے پیدا کر سکتے ہیں تو پھر ایسے شے کی طلب اس کی رسد سے زیادہ کیسے ہو گئی ہے؟ پھر پیسہ معاشی شے (Economic Good) کیسے بن گیا؟ اور ایسی شے کی خدمات کی قیمت (یعنی سود) لینا کس منطق سے درست قرار پایا۔ درست بات یہ ہے کہ انسانیت کے ساتھ یہ ظلم اس وجہ سے ہو رہا ہے کیونکہ امت مسلمہ خواب غفلت میں مشغول ہے۔ امت کو نہ اپنی فکر ہے اور نہ بقیہ انسانیت کی۔

امت مسلمہ نے پیسہ، تمویل اور بنکاری کے شعبہ میں ایک خلاء چھوڑ دیا۔ اسلامی بنکاری اس خلاء کو بھرنے میں قطعاً ناکام ہو گئی ہے۔ اسے ناکام ہونا ہی تھا کیونکہ اسلامی بنکاری میں قرض حسن مفقود ہے۔ اگر آپ کے پاس نکاح کا ہتھیار نہ ہو تو آپ زنا کو شکست نہیں دے سکتے۔ ایسے ہی اگر آپ کے پاس قرض حسن نہ ہو تو آپ سودی قرض کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بس ایک خوش فہمی سی دل کو لگی رہتی ہے۔ بقول شاعر۔ دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ سودی بنکاری نے اس خلاء کو پر کیا اور مالیات کے اس اہم ترین شعبہ کا کل انتظام سود خوروں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ مال کی حفاظت شریعت کا ایک مقصد ہے۔[16] موجودہ صورتحال میں اس مقصد کا حصول ناممکن ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں تباہی و بربادی ہونی تھی اور ہوئی۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ صرف اتنا کہوں گا کہ صدیوں پہلے اس بکری کو ذبح ہم نے خود کیا۔ اس فرد سے کیا لڑنا جس نے اس مردہ بکری کی کھال اتار دی۔ کسی اور کو الزام دینے سے پہلے ہمیں اپنا گھر درست کرنا پڑے گا۔

ایک اور بات یہ کہ امت کا ایک بڑا حصہ مفت خوری کا عادی بن گیا ہے۔ مفت خوری کسی بھی صورت قابل تعریف نہیں ہے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جو بندہ مفت خوری کا عادی ہو جائے وہ مانگتا ہے چاہے پہلے سے اس کے پاس اپنی ضرورت کا مال موجود ہو۔ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر ایسی صورتحال پیش آ جائے تو ایسی جگہ تمویل کے لیئے صدقہ کے بجائے قرض استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ آدمی قرض نہیں مانگتا جب تک کہ وہ مجبور نہ ہو جائے۔ یعنی صدقہ میں مال مفت خور کے پاس جا کر ضائع ہو سکتا ہے۔ جبکہ قرض کے ذریعے مال مفت خور کے بجائے حقیقی ضرورت مند کو ملتا ہے۔ صدقہ میں مال صرف ایک دفعہ استعمال ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ قرض کے ذریعے مال کو بار بار استعمال کیا جا سکتا ہے۔ صدقہ سے مفت خوری عام ہوتی ہے کیونکہ صدقہ کو واپس نہیں کرنا پڑتا۔ قرض سے کاروبار کو فروغ ملتا ہے کیونکہ قرض لینے کے بعد آدمی کو اس کی واپسی کی فکر لگ جاتی ہے۔ امت کو موجودہ حالت صدقہ کی موجودگی میں ہوئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صدقہ موجودہ حالات کا کوئی علاج نہیں۔

علاج:

مسلمان اس وقت ایک ہجوم ہیں۔ ان کو جماعت بنانے کی ضرورت ہے۔ چلیں دیکھتے ہیں کہ ہم اپنا گھر کیسے درست کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیئے ہم قرآن کی سورۃ کہف کی آیت نمبر 19 سے مدد لیتے ہیں۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اصحاب کہف جب طویل نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے کیا کیا۔ پہلی بات یہ کہ مسلمانوں کو غفلت کی طویل نیند سے بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ جاگنے کے بعد اصحاب کہف نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہم کتنی دیر سوئے رہے۔ ایک نے جواب دیا کہ دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اس پر ان کو احساس ہوا کہ وہ ایک لایعنی بحث میں پڑ رہے ہیں۔ جب سب ہی سو رہے تھے تو ہم کیسے بتا سکتے ہیں کہ ہم کتنا سوئے۔ پس سیکھنے کی دوسری بات یہ ہے کہ امت لایعنی بحثوں یا غیر ضروری کاموں میں نہ پڑے تا کہ امت کے وسائل ضائع نہ ہوں۔ پھر اصحاب کہف

CC BY

نے باہم مشورہ کیا۔یہی سیکھنے کی تیسری بات ہے کہ امت باہم مشورہ کی سنت کو زندہ کرے۔مشورہ کی مدد سے امت کے وسائل کو غیروں کے بجائے اپنے ہاتھ میں لے کر امت کی مفاد کی خاطر بہتر استعمال کیا جاسکتا ہے۔مشورہ میں اصحاب کہف نے اپنے میں سے ایک فرد کو سب کا ایک روپیہ (بورقم) دے کر یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ بازار جاکر سب کے لیئے پاک رزق لے آئے۔اور ہوشیار رہے تاکہ دشمن کو اس کا پتہ نہ چل سکے۔پس سیکھنے کی چوتھی بات یہ ہے کہ اصحاب کہف کچھ افراد کا نام نہیں جن کی اتفاقاً راہ چلتے ملاقات ہوگئی ہو۔اصحاب کہف ایک جماعت کا نام ہے۔تبھی تو ان کے ہاں جماعت کے فنڈ کا تصور ملتا ہے۔انہوں نے اپنے روپے جماعت کے فنڈ میں اکھٹے کر رکھے تھے۔اسی وجہ سے قرآن میں ان کے اس عمل کے لیئے بورقم کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ورنہ عام حالات میں تو ایک روپیہ صرف ایک فرد کا ہی ہو سکتا ہے۔اس جماعت کے فنڈ سے بہتر فائدہ اٹھانے کے لیئے انہوں نے مشورہ کا اہتمام کیا۔اسی فنڈ کی وجہ سے اصحاب کہف ایک ہجوم کے بجائے ایک جماعت بن گئے۔امت بھی اسی طرح اپنے فنڈ باہم جمع کر کے ہجوم کے بجائے جماعت بن جائے۔[17]

البتہ فوری طور پر یہ ضروری نہیں بلکہ شائد ممکن بھی نہ ہو کہ پوری امت ایک امیر کے ماتحت ایک جماعت بن جائے۔کیونکہ پوری امت اس وقت چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم ہو چکی ہے۔اور یہ ممالک مقروض ہونے کی وجہ سے بنکاری نظام کے راستے آئی ایم ایف کے زیر اثر ہیں۔زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ اس کام کو امام ابو حنیفہؒ کے طرز پر مسجد، محلہ، قصبہ اور کمیونٹی کی سطح پہ شروع کر دیا جائے۔یوں نچلی سطح پر عوام کی ضروریات پوری ہونا شروع ہو جائیں گی۔جب لوگ دیکھیں گے کہ ان کی ضروریات بنکوں میں جانے کے بغیر دین اسلام کے مطابق بلاسود قرضوں سے پوری ہو رہی ہیں تو ان کے دل میں اسلام کے تمویلی نظام کی قدر و منزلت پیدا ہو گی۔جب لوگ دیکھیں گے کہ مہنگائی و بے روزگاری کے وہ مسائل جو سائنس و فلسفہ سے حل نہ ہو سکے اسلام نے ان کو کتنی آسانی سے حل کر دیا تو ان کے دل میں وحی کی قدر و منزلت بڑھے گی۔عوام پہلے سے دین اسلام سے محبت کرتے ہیں۔اب اور زیادہ کرنے لگیں گے۔

سفارشات:

امت مسلمہ کی خدمت میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

1. احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان کے اعتبار سے سب سے بہتر زمانہ اللہ کے نبی ﷺ کا تھا۔پھر جو اس کے قریب ہو اور پھر جو اس کے قریب ہو۔یعنی وقت کے ساتھ ساتھ ایمان میں کمی آنا ایک ایسا عمل ہے جسے واپس نہیں کیا جاسکتا۔لھٰذا امت کو ایمان کی یہ کمی انتظام سے پوری کرنی پڑے گی۔اس کے لیئے مسلمان بچوں کو انتظامی علوم مثلاً اکاؤنٹنگ، مینیجمنٹ اور آڈٹ وغیرہ کو پڑھنا ضروری ہے۔اسی وجہ سے ہمیں برائی کو مٹانے کے لیئے وہ نیکیاں استعمال کرنی ہیں جو ایک عام انسان کے دل کو مرغوب ہوں۔مثلاً زنا کا مقابلہ نکاح سے کرنا ہے۔اس مقصد کے لیئے نکاح کو سستا رکھنا از حد ضروری ہے۔اسی طرح ہمیں سودی قرض کا مقابلہ مشارکہ، مضاربہ یا لیزنگ سے نہیں کرنا بلکہ ہمیں سودی قرض کا مقابلہ قرض حسن سے کرنا ہے۔
2. امام ابو حنیفہؒ کے تمویلی نظام کو ترک کرنا امت کی بہت بڑی غلطی ہے۔اس تمویلی نظام کو از سر نو زندہ کرنا از حد ضروری ہے۔اس مقصد کے لیئے حکومت کا انتظار نہیں کرنا بلکہ ہمیں امام صاحب کی طرح اس کام کو کمیونٹی اور کاروبار کی سطح پہ زندہ کرنا ہے۔اس سے یہ ہو گا کہ عوام کے مسائل عوام کی سطح پہ خود ہی حل ہونا شروع ہو جائیں گے اور حکومت وقت پہ بوجھ بہت کم ہو جائے گا۔
3. صدقہ کے استعمال میں احتیاط کرنی ہے۔بسا اوقات کثرت سے صدقہ کھانے سے آدمی بھک منگا بن جاتا ہے۔کیونکہ صدقہ لینے کے لیئے وہ لوگ بھی قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے پاس پہلے سے کچھ موجود ہو۔موجودہ حالات میں تمویل کے لیئے قرض صدقہ سے بہتر ہے۔اس لیئے بلاسود قرض کو ترجیح دیں۔البتہ قرض دیتے وقت قرآن کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 282 (آیت دین) پہ عمل کرنا ہے۔

مستقبل کا لائحہ عمل:

ضروری لائحہ عمل درج ذیل ہے:

1. حکومت سمیت ہر سطح پر اس بات کے لیئے آواز اٹھانی ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 5 کی روشنی میں مسلمان اپنے پیسے کا کنٹرول بنکوں سے واپس لے لیں۔صرف کنٹرول واپس لینا کافی نہیں بلکہ ہمارے پاس اس پیسے کو محفوظ رکھ کر استعمال کرنے کا نظام ہونا چاہیئے۔یہ بات تبھی ممکن ہے اگر مسلمان امام ابو حنیفہؒ کی سنت پر عمل کر کے قرض حسن کی بنیاد پر اپنا بنکاری نظام قائم کریں۔
2. فسکل پالیسی کی طرح مانیٹری پالیسی پہ بھی حکومت کا حق ہے نہ کہ بنکوں کا کیونکہ حکومت معاشرے کی نمائندہ ہے۔بنکاری نظام تو ایک دکاندار ہے اس کا سرکار کی پالیسی سے کیا تعلق؟ حکومت بنک کے نوٹوں کی ضمانت دینا بند کر دے۔
3. اکنامکس کو اگر بطور سائنس اپنا وجود عزیز ہے تو اپنے تضادات کو دور کرے۔اکانومسٹ بتائے کہ کونسے اخلاقیات کی رو سے بنک نیا پیسہ (Credit Creation out of Nothing) جاری کر کے خود ہی پہلا مالک بن کر اس سے سود کمانا شروع کر دیتا ہے؟ حکومت یا معاشرے کے علاوہ کسی کو بھی اپنے لیئے نیا پیسہ جاری کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیئے۔
4. انسانیت کو اس کی قدر کرنی چاہیئے جس کے پاس انسانیت کے مسائل کا حل ہو۔اللہ کے فضل سے یہ حل اسلام کے پاس ہے۔البتہ جس کے پاس انسانیت کے مسائل کا اسلام سے بہتر حل موجود ہو وہ سامنے آجائے تاکہ انسانیت اس سے فائدہ اٹھا سکے۔
5. مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سارے علوم کو از سر نو مرتب کریں اور اپنے بچوں کو پڑھائیں۔
6. کرنسی کے ساتھ ساتھ بچوں کو کمیونٹی کرنسی بھی تعلیم دینی ہے۔بلکہ کمیونٹی کی سطح پر اپنی کمیونٹی کرنسی شروع کرنی ہے۔یاد رکھیں کہ کمیونٹی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیئے اپنی کمیونٹی کرنسی جاری کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔بنگلہ پیسہ (Bangla Pesa) ایسی ہی ایک کمیونٹی کرنسی ہے جسے کینیا کے ممباسا صوبے میں عوام نے خود جاری کیا۔اس کرنسی کو اقوام متحدہ نے تعریفی خط جاری کیا۔
7. کمیونٹی کی سطح پر اپنی مدد آپ کر کے خود کفالت حاصل کرنی ہے۔اس مقصد کے لیئے کچھ کلیدی الفاظ ہیں جن کو انٹرنیٹ پہ تلاش کر کے مزید معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔
   a. ایکواپانکس (Aquaponics): گھر میں کم خرچ پہ سبزی اور گوشت کی ضرورت پوری کرنے کے لیئے۔
   b. سولر باکس کوکر (Solar Box Cooker): سورج کی مدد سے کھانا پکانے کے لیئے۔
   c. بائیو گیس (Bio Gas): جانوروں کے گوبر سے جلانے کی خاطر گیس بنانے کے لیئے۔

CC BY

حوالہ جات

[1] القرآن:6/56

[2] عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911ھ)، تاريخ الخلفاء، مكتبة نزار مصطفى الباز، الطبعة الأولى:1425ھ-2004م، 1/164۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مولانا مناظر احسن گیلانی، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، مکتبہ الحق، ممبئی، ص76-77

[3] مولانا مناظر احسن گیلانی، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، مکتبہ الحق، ممبئی، ص50

[4] مولانا مناظر احسن گیلانی، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، مکتبہ الحق، ممبئی، ص51-52

[5] مولانا مناظر احسن گیلانی، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، مکتبہ الحق، ممبئی، ص51

[6] ابن عبد ربه الأندلسي، العقد الفريد، موقع الوراق، 2/163

[7] معین الدین احمد ندوی، خلفائے راشدین، ناشران قرآن لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور، ص157-158

[8] جمال الدين ابو الفرج ابن الجوزی، تاریخ عمر بن الخطاب، التوفیق الادبیۃ، مصر، ص191

[9] أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى:230ھ)، الطبقات الكبرى، دار صادر-بيروت، الطبعة الأولى، 1968م، 3/184

[10] الامام الحافظ أبي بكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي المتوفى 463، تاريخ بغداد، دار الكتب العلمية بيروت-لبنان، 7/377

[11] محمد احتشام الحسن، مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج، جید برقی پریس، دہلی، 1943، ص22-23

[12] محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي، صحيح البخاري، دار ابن كثير، اليمامة-بيروت، الطبعة الثالثة 1407-1987، 3/1335

[13] الإمام أحمد بن حنبل، مسند أحمد، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية 1420ھ-1999م، 6/189، 3672

[14] Werner, R. (2014). How do banks create money, and why can other firms not do the same? An explanation for the coexistence of lending and deposit taking. International Review of Financial Analysis (36), 71 - 77

[15] Ibid

[16] إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي (المتوفى:790ھ)، الموافقات، دار ابن عفان، الطبعة الأولى 1417ھ/1997م، 2/20

[17] القرآن:18/19